AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مستورالحال راوی کی مرویات کے حوالہ سے ائمہ جرح وتعدیل کی آراء: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Opinions of the Hadith Critics Regarding the Narrations of a Mastūr al-Ḥāl Narrator: An Analytical Study

Hafiz Kaleem Ullah
PhD Scholar in Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore, and Lecturer at Government Graduate College, Khanpur.
Professor Dr. Hafiz Abdul Qayyum
Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Abstract

The sciences of Hadith criticism rely heavily on the rigorous scrutiny of narrators to verify the authenticity of Prophetic traditions. A central and contentious topic within this field is the status of the Mastūr al-Ḥāl narrator. Defined by scholars such as Ibn al-Salah and Ibn Hajar al-Asqalani, a Mastūr narrator is an individual from whom two or more people have narrated, and whose outward conduct appears righteous (ʻAdālah Ẓāhirah), yet whose inner character (ʻAdālah Bāṭinah) and precision (Ḍabṭ) remain unverified by any recognized authority. This analytical study explores the historical evolution of this term and examines the divergent opinions of leading critics of Jarḥ wa Taʻdīl (impugnment and validation), jurists, and methodologists regarding the acceptance of such narrations.The research categorizes scholarly perspectives into three distinct approaches. First, it analyzes the view of Imam Ahmad bin Hanbal, who often used the term to denote a narrator who is pious but not widely famous. His approach, along with that of the Hanafi school, leans towards acceptance. The Hanafis argue based on the principle of Husn al-Zann (good opinion) and the legal maxim that the default state of a Muslim is just, particularly regarding narrators from the earliest generations. Conversely, the study details the strict stance of Imam al-Shafiʻi and the majority of Hadith scholars (Jumhūr). They maintain that religious transmission requires positive validation of a narrator's inner integrity and memory; therefore, they reject Mastūr narrations as independent evidence, viewing mere outward Islam as insufficient for authentication.The study highlights the methodology of Imam Muslim and Abu Hatim al-Razi as the most balanced and practical framework. Imam Muslim categorized Mastūr narrators in a secondary tier—neither rejecting them outright like the strict faction nor accepting them unconditionally like the lenient

faction. Instead, their reports are utilized for Mutābaʿāt (corroboration) and Shawāhid (supporting evidence). The article concludes that this intermediate approach is the most sound: while a report by a Mastūr narrator is not independent proof (Ḥujjah) on its own, it is not baseless. If corroborated by other chains, it can be elevated to the status of Hasan lighayrihi (Good due to external support), ensuring a methodological balance between caution and the preservation of the Sunnah.

Keywords:
Mastūr al-Ḥāl, Jarḥ wa Taʿdīl, Hadith Criticism, Narrator Reliability, Hasan lighayrihi

تمہید

نبی کریم ﷺ کی احادیث کی سند کو پرکھنے کے لیے راویوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ان راویوں میں سے متعدد لوگ مجہول یعنی نامعلوم ہوتے ہیں ان میں ایک قسم "مستور" ہے، یہ وہ راوی ہے جس کی ظاہری حالت تو اسلام اور نیکی کی ہے۔ جسے محدثین "عدالتِ ظاہرہ" سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کی باطنی عدالت اور حدیث بیان کرنے کی اہلیت (ضبط) پر ائمہ فن سے کوئی واضح گواہی (تزکیہ) منقول نہیں ہوتی۔ گویا اس کی شخصیت تو جانی پہچانی ہے، لیکن اس کا اصل "حال" پردے میں (مستور) ہوتا ہے۔ چونکہ راویوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس زمرے میں آتی ہے۔ وہ لوگ جو نہ تو مشہور ائمہ کی صف میں شامل ہیں اور نہ ہی کذابین ومتروکین کی فہرست میں اس لیے "مستور" کی روایت کا حکم علمِ حدیث کے اہم ترین اور نازک ترین مسائل میں سے ایک ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس پر کیا جانے والا فیصلہ ہزاروں روایات کی صحت وضعف پر براہِ راست اثرانداز ہوتا ہے۔ کیا ایک راوی کی ظاہری نیکی اور پارسائی اس کی روایت کو قبول کرنے کے لیے کافی ہے؟ یا پھر دین کی روایت جیسی عظیم ذمہ داری کے لیے باطنی عدالت اور ضبط کا پایۂ ثبوت کو پہنچنا لازمی ہے؟ ان سوالات نے ائمہ جرح وتعدیل، فقہاء اور اصولیین کو گہرے غور وفکر پر مجبور کیا اور ان کے درمیان واضح اور بعض اوقات شدید اختلافات کو جنم دیا۔

اس تحقیق میں "مستور الحال" راوی کی مرویات کے حوالے سے ائمہ جرح وتعدیل کی آراء کا تفصیلی اور تقابلی جائزہ لیا جائے گا۔ ہر امام اور ہر مکتبۂ فکر کے موقف کو ان کے اصل عربی اقوال اور ان کے ترجمے کے ساتھ پیش کیا جائے گا، ان آراء کے تاریخی پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی، اور یہ دیکھا جائے گا کہ یہ اختلافات عملی طور پر حدیث کے قبول ورد پر کیسے اثرانداز ہوتے ہیں۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

1:المستور: تعریف اور تصور کا ارتقاء

بحث شروع کرنے سے پہلے، "مستور" کی اصطلاحی تعریف کو ایک بار پھر ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

- **لغوی معنی"** : مستور "اسم مفعول ہے "سَتَرَ" سے، جس کا مطلب ہے "چھپا ہوا" یا "پردے میں رکھا ہوا"۔
- **اصطلاحی تعریف** :اصولِ حدیث میں "مستور" سے مراد وہ راوی ہے:
- "جس کی ظاہری عدالت (یعنی اسلام اور عدمِ فسق) تو معلوم ہو، لیکن اس کی باطنی عدالت اور ضبط کی کیفیت مجہول ہو، کیونکہ کسی معتبر امام نے اس کی صراحتاً توثیق نہ کی ہو۔"

یہ تعریف امام ابن الصلاح (المتوفی 643ھ) نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں پیش کی، جہاں انہوں نے اسے "مجہول" کی دوسری قسم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"الثاني: المجهول الذي جُهِلَتْ عدالته الباطنة، وهو عدل في الظاهر، وهو المستور، فقد قال بعض أئمتنا: المستور من يكون عدلاً في الظاهر، ولا تعرف عدالة باطنه"۔[1]

ترجمہ" : دوسری قسم: وہ مجہول جس کی باطنی عدالت مجہول ہو، جبکہ وہ ظاہر میں عادل ہو، اور یہی 'مستور' ہے۔ ہمارے بعض ائمہ نے فرمایا ہے: مستور وہ ہے جو ظاہر میں تو عادل ہو، لیکن اس کی باطنی عدالت معلوم نہ ہو۔"

حافظ ابن حجر (المتوفی 852ھ) نے "مجہول الحال" اور "مستور" کو مترادف قرار دیا اور فرمایا کہ یہ وہ راوی ہے جس سے دو یا زیادہ افراد روایت کریں لیکن اس کی توثیق ثابت نہ ہو۔

"وإن روى عنه اثنان فصاعداً ولم يوثق؛ فهو مجهول الحال، وهو المستور."[2]

ترجمہ:"اور اگر اس سے دو یا زیادہ افراد روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو، تو وہ 'مجہول الحال' ہے، اور یہی 'المستور' ہے۔"

---

[1]ابنِ الصلاح، عثمان بن عبدالرحمن الشہرزوری۔ **علوم الحدیث (مقدمہ ابن الصلاح)**۔ تحقیق: نور الدین عتر۔ بیروت: دار الفکر، 2004ء۔صفحہ 111-

[2]ابنِ حجر العسقلانی، احمد بن علی۔ **نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر**۔ ریاض: مطبعہ سفیر، 1422ھ - صفحہ 102-

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اب ہم ائمہ کرام کی آراء کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں:

2: مستور کی روایت کے حکم میں ائمہ کی آراء

الف) امام احمد بن حنبل (المتوفی 241ھ) کا موقف

امام احمد بن حنبل ، جو متقدمین ائمہ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، کے ہاں "مستور" کا لفظ ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے جو بعد کے اصطلاحی مفہوم سے قدرے مختلف لیکن اس کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ آپ کی فراہم کردہ فائل میں امام احمد کا قول قاسم بن معن کے بارے میں نقل کیا گیا ہے:

"القاسم بن معن: مستور ثقة، ولي قضاء الكوفة، روى عنه ابن مهدي، ليس به بأس"۔[3]

ترجمہ" : قاسم بن معن: مستور اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے کوفہ کی قضاء سنبھالی، ان سے ابن مہدی نے روایت کی، ان میں کوئی حرج نہیں۔"

امام احمد کا یہ قول انتہائی اہمیت کا حامل اور غور طلب ہے۔ یہاں وہ "مستور" کو "ثقہ" کے ساتھ جمع کر رہے ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک "مستور" ہونا "مجہول" یا "ضعیف" ہونے کے مترادف نہیں ہے۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک "مستور" سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی ذاتی زندگی میں نیک، پارسا، اور گناہوں سے بچنے والا ہو، لیکن وہ حدیث کی روایت میں بہت زیادہ مشہور اور معروف نہ ہو، یا اس کا معاملہ عوام پر زیادہ ظاہر نہ ہو۔ گویا "مستور" کا لفظ ان کے ہاں ایک مدح اور تعریف کا کلمہ ہے جو راوی کی ذاتی دیانت اور صلاح پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ اس کی جہالت پر۔

ایک اور قول بھی ابو بکر الاثرم کے واسطے سے نقل کیا گیا ہے، جہاں امام احمد فرماتے ہیں:

"هو ما لم يحدث مستور، فإذا حدّث خرج منه إلى غيره"۔[4]

ترجمہ" : وہ (شخص) جب تک حدیث بیان نہیں کرتا، مستور رہتا ہے، لیکن جب وہ حدیث بیان کرتا ہے تو (اس کا حال کھل کر) اس کیفیت سے نکل جاتا ہے۔"

[3] **العلل ومعرفة الرجال**، برواية عبد الله، جلد 1، صفحہ 328-

[4] الخطیب البغدادی، احمد بن علی۔ **الكفاية فی علم الرواية**۔ قاہرہ: دار الہدیٰ، 2003ء۔جلد 1، صفحہ 490-

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اس سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ "مستور" سے مراد وہ شخص ہے جس کا حال ابھی پرکھا نہیں گیا، لیکن اس کی ظاہری حالت اچھی ہے۔ جب وہ حدیث بیان کرتا ہے تو اس کی روایت کو دیگر ثقہ راویوں کی روایات سے پرکھا جاتا ہے، جس کے بعد اس کے ضبط اور علمی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ "مستور" نہیں رہتا۔ یہ بعد کی اصطلاحی تعریف کے بہت قریب ہے، لیکن امام احمد کے ہاں اس کا جھکاؤ تعدیل اور قبولیت کی طرف زیادہ نظر آتا ہے۔

ب) امام مسلم بن الحجاج (المتوفی 261ھ) کا موقف

امام مسلم نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "صحیح مسلم" کے مقدمے میں راویوں کے تین طبقات بیان کیے ہیں، جو "مستور" کے حوالے سے ان کے موقف کو سمجھنے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ دوسرے طبقے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فهم وإن كانوا بما وصفنا من العلم والستر عند أهل العلم معروفين، فغيرهم من أقرانهم ممن عندهم ما ذكرنا من الإتقان، والاستقامة في الرواية يفضلونهم في الحال والمرتبة... ألا ترى أنك إذا وازنت هؤلاء الثلاثة الذين سميناهم عطاء، ويزيد، وليثاً، بمنصور بن المعتمر، وسليمان الأعمش، وإسماعيل بن أبي خالد في إتقان الحديث والاستقامة فيه، وجدتهم مباينين لهم، لا يدانونهم"۔[5]

ترجمہ" : یہ لوگ (دوسرا طبقہ) اگرچہ علم اور 'ستر' (پارسائی) کے ساتھ اہل علم کے ہاں معروف ہیں، لیکن ان کے ہم عصروں میں سے وہ لوگ جن میں پختگی اور روایت میں استقامت پائی جاتی ہے، وہ ان سے حالت اور مرتبے میں افضل ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تم ان تینوں، یعنی عطاء، یزید اور لیث، کا موازنہ منصور بن المعتمر، سلیمان الاعمش اور اسماعیل بن ابی خالد کے ساتھ حدیث کی پختگی اور استقامت میں کرو گے، تو تم انہیں ان سے بہت مختلف پاؤ گے، وہ ان کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔"

امام مسلم کا یہ منہج "مستور" کی روایت کے حکم میں ایک انتہائی متوازن اور تحقیقی راہ پیش کرتا ہے۔ وہ "مستور" کو جنہیں وہ "أهل الستر والصدق " (پارسائی اور سچائی والے) کہتے ہیں—مکمل طور پر رد نہیں کرتے، اور نہ ہی اسے مطلقاً قبول کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ راوی دیانتدار تو ہیں، لیکن ان کے ضبط اور قوتِ حافظہ میں کچھ کمی ہے جس کی وجہ سے وہ پہلے طبقے کے ائمہ کے مرتبے تک نہیں پہنچ پاتے۔ اس لیے ان کی روایت بذاتِ خود حجت نہیں بن سکتی، لیکن وہ اتنی گری ہوئی بھی نہیں کہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جائے۔

[5] مسلم، بن الحجاج القشیری۔ **الجامع الصحيح (صحيح مسلم)** بیروت: دار إحياء التراث العربی، المقدمة، صفحہ 5-6

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

لہٰذا، وہ اسے دوسری صحیح روایات کی تائید اور تقویت کے لیے (متابعات و شواہد میں) استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصول بعد میں "حسن لغیرہ" کی اصطلاح کی بنیاد بنا۔ امام مسلم کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر راوی کو اس کے صحیح مقام پر رکھتے تھے اور محض ظاہری حالت یا مطلق جہالت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتے تھے، بلکہ راوی کے ضبط اور اس کی روایت کے معیار کو بھی پرکھتے تھے۔

ج) امام ابو حاتم الرازی (المتوفی 277ھ) اور امام ابو زرعہ الرازی (المتوفی 264ھ) کا موقف

امام ابو حاتم اور ابو زرعہ ، جو جرح و تعدیل کے میدان کے امام مانے جاتے ہیں، کے ہاں "مستور" کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوا ہے، جو ان کے گہرے اور دقیق منہج کی عکاسی کرتا ہے۔

- کبھی وہ "مستور" کہہ کر راوی کی قلتِ روایت اور عدمِ شہرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے محمد بن ہارون اللؤلؤی کے بارے میں کہا:

  "شيخ مستور."[6]

  ترجمہ" :ایک مستور شیخ ہیں۔"

- کبھی وہ "مستور" اس راوی کو کہتے ہیں جس کا حال پہلے تو چھپا ہوا تھا، لیکن جب اس نے کوئی منکر روایت بیان کی تو اس کا ضعف ظاہر ہو گیا۔ جیسا کہ ابو حاتم نے عمران بن تمام کے بارے میں فرمایا:

  "كان عندي مستوراً إلى أن حدّث عن أبي جمرة عن ابن عباس عن النبي ﷺ بحديث منكر[7]..."

  ترجمہ" : وہ میرے نزدیک مستور تھا، یہاں تک کہ اس نے ابو جمرہ کے واسطے سے ابن عباس سے نبی ﷺ کی ایک منکر حدیث بیان کی۔"

اور کبھی وہ اسے متوسط درجے کے راویوں کے لیے استعمال کرتے ہیں جو نہ تو حجت کے درجے کے ہوں اور نہ ہی ساقط الاعتبار۔ جیسا کہ انہوں نے محل بن محرز الضبی کے بارے میں فرمایا:

"كان شيخاً مستوراً، ما بحديثه بأس، ولا يحتج بحديثه."[8]

[6] ابنِ ابی حاتم، عبدالرحمن بن محمد الرازی۔ **الجرح والتعديل**۔ بیروت: دار إحياء التراث العربی، 1952ء۔جلد 8، صفحہ 117۔
[7] ایضاً، جلد 6، صفحہ 295۔
[8] ابنِ ابی حاتم، عبدالرحمن بن محمد الرازی۔ **الجرح والتعديل**، جلد 8، صفحہ 413۔

ترجمہ" :وہ ایک مستور شیخ تھے، ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں، لیکن ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔"

امام ابو حاتم اور ابو زرعہ کے ہاں "مستور" کی اصطلاح کا یہ متنوع استعمال ان کی انتہائی دقتِ نظری اور تحقیقی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ایک ہی لفظ کو مختلف سیاق وسباق میں مختلف معانی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کا منہج یہ بتاتا ہے کہ "مستور" کوئی جامد اصطلاح نہیں، بلکہ ایک اضافی (Relative) کیفیت ہے۔ ان کا یہ قول کہ "اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی" لیکن "اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں"، امام مسلم کے منہج کے بہت قریب ہے، یعنی ایسے راوی کی روایت کو متابعات اور شواہد میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ متقدمین ائمہ اگرچہ نظریاتی تعریفات بیان نہیں کرتے تھے، لیکن ان کا عملی منہج انتہائی منظم اور اصولوں پر مبنی تھا۔

د) احناف کا موقف: قبولِ روایت

احناف کا مشہور موقف یہ ہے کہ "مستور" کی روایت چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے۔ ان کا بنیادی اصول "الأصل في المسلم العدالة" (مسلمان کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ عادل ہے) ہے۔

شیخ ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں:

"وقال أبو حنيفة وأتباعه: يكتفى في قبول الرواية بظهور الإسلام، والسلامة عن الفسق ظاهراً."[9]

ترجمہ" :امام ابو حنیفہ اور ان کے پیروکاروں نے فرمایا: روایت کے قبول کے لیے (راوی کا) مسلمان ہونا اور ظاہری طور پر فسق سے پاک ہونا ہی کافی ہے۔"

احناف کا یہ موقف "حسنِ ظن" اور توسع کے اصول پر مبنی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے بارے میں بدگمانی کے بجائے نیک گمانی سے کام لینا چاہیے، خصوصاً جب معاملہ مسلمانوں کا ہو اور وہ راوی قرونِ ثلاثہ (عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ یا عہدِ تابعین کا ہو)۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی عدالت کا ثبوت مانگنا ایک ناقابلِ عمل شرط (شرطِ متعذر) ہے اور اس سے دین کے علم کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ تاہم، جمہور محدثین اس موقف کو قبول نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ عام معاملات میں حسنِ ظن درست ہے، لیکن دین کی روایت جیسے نازک معاملے میں، جو کہ ایک عظیم ذمہ داری ہے، انتہائی احتیاط ضروری ہے۔ وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ صحابہ کا دور مختلف تھا، جہاں جھوٹ کا

[9] تھانوی، ظفر احمد۔ **قواعد فی علوم الحدیث**۔ حلب: مکتب المطبوعات الإسلامیہ، 1984ء۔ صفحہ 203-204۔

رواج نہیں تھا، لیکن بعد کے ادوار میں جب فتنے پیدا ہوئے اور وضعِ حدیث (حدیث گھڑنے) کا سلسلہ شروع ہوا، تو راویوں کی چھان پھٹک ناگزیر ہو گئی۔

ھ) امام شافعی اور جمہور محدثین کا موقف: عدمِ قبول

امام شافعی (المتوفی 204ھ) اور جمہور محدثین کا موقف یہ ہے کہ "مستور" کی روایت حجت نہیں ہے اور اسے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کی عدالت واضح طور پر ثابت نہ ہو جائے۔ ان کا اصول یہ ہے کہ خبر کی قبولیت کے لیے راوی کا "ثقہ" ہونا شرط ہے، اور ثقہ وہ ہوتا ہے جس کی عدالت اور ضبط دونوں ثابت ہوں۔ چونکہ مستور کی عدالتِ باطنہ اور ضبط مجہول ہے، اس لیے وہ شرطِ قبول پر پورا نہیں اترتا۔

امام بغوی، جو کہ شافعی فقیہ ہیں، نے اپنی کتاب "التہذیب" میں نکاح کے باب میں گواہی پر بحث کرتے ہوئے مستور کی تعریف کی اور کہا:

> "وينعقد النكاح بشهادة مستورين بالاتفاق، والمستور: من يكون عدلاً في الظاهر، ولا تعرف عدالة باطنه، بخلاف الحكم لا يجوز بشهادة المستور..."[10]
>
> ترجمہ" : نکاح بالاتفاق دو مستور گواہوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے، اور مستور وہ ہے جو ظاہر میں عادل ہو اور اس کی باطنی عدالت معلوم نہ ہو۔ اس کے برعکس، (قاضی کا) فیصلہ مستور کی گواہی پر جائز نہیں"...

جمہور محدثین اور شوافع کا یہ موقف احتیاط اور تحفظ کے اصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خبرِ دین کو قبول کرنے کا معیار عام خبروں سے بہت بلند ہونا چاہیے۔ ایک راوی کا محض مسلمان ہونا اور ظاہری طور پر نیک نظر آنا کافی نہیں، بلکہ اسے اس فن کے ماہرین (ائمہ جرح و تعدیل) سے "معتبریت کا سرٹیفکیٹ" (یعنی توثیق) حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ موقف اگرچہ سخت ہے، لیکن سنتِ نبوی ﷺ کی حفاظت اور اس کی اصلیت کو برقرار رکھنے کے لیے یہی سب سے محفوظ اور قابلِ اعتماد راستہ ہے۔

حاصلِ کلام

[10] البغوي، الحسين بن مسعود۔ التهذيب في فقه الإمام الشافعي۔ جلد 5، صفحہ 263۔

"مستور الحال" راوی کی روایت کے حوالے سے ائمہ کرام کی آراء کا یہ تفصیلی جائزہ ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ مسئلہ علمِ حدیث کے انتہائی دقیق اور اختلافی مباحث میں سے ہے۔

* **امام احمد** کے ہاں "مستور" کا لفظ زیادہ تر تعدیل اور مدح کے لیے استعمال ہوا ہے۔
* **امام مسلم** نے اسے ایک درمیانی طبقہ قرار دیا جس کی روایت صرف متابعات و شواہد میں قابل قبول ہے۔
* **امام ابو حاتم** نے اسے ایک اضافی کیفیت قرار دیا جس کا حکم سیاق و سباق سے متعین ہوتا ہے۔
* **احناف** نے حسنِ ظن اور قرونِ ثلاثہ میں اصل عدالت ہے، کی بنیاد پر اس کی روایت کو مطلقاً قبول کیا ہے۔
* **جمہور محدثین و شوافع** نے احتیاط کی بنیاد پر اس کی روایت کو مطلقاً رد کیا ہے۔

راجح اور متوازن موقف یہی نظر آتا ہے کہ "مستور" کی روایت بذاتِ خود حجت نہیں، لیکن وہ اتنی کمزور بھی نہیں کہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جائے۔ لہٰذا، اس کا بہترین مصرف وہی ہے جو امام مسلم اور محققین نے بیان کیا، یعنی اسے **متابعات و شواہد میں اعتبار** کیا جائے اور دیگر قرائن کی روشنی میں اس کی حیثیت کا تعین کیا جائے۔ اگر دیگر مضبوط سندوں سے اس کی تائید ہو جائے تو وہ حدیث "حسن لغیرہ" کے درجے تک پہنچ سکتی ہے۔ یہ منہج ہمیں افراط و تفریط سے بچاتا ہے اور تحقیق کا ایک متوازن راستہ فراہم کرتا ہے۔

کتابیات

- ابنِ الصلاح، عثمان بن عبدالرحمن الشہرزوری۔ علوم الحدیث (مقدمہ ابن الصلاح)۔ تحقیق: نور الدین عتر۔ بیروت: دار الفکر، 2004ء۔
- ابنِ حجر العسقلانی، احمد بن علی۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر۔ ریاض: مطبعہ سفیر، 1422ھ۔
- العلل ومعرفة الرجال، برواية عبد الله
- الخطیب البغدادی، احمد بن علی۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ قاہرہ: دار الہدیٰ، 2003ء۔
- مسلم، بن الحجاج القشیری۔ الجامع الصحیح (صحیح مسلم) بیروت: دار إحیاء التراث العربی۔
- ابنِ ابی حاتم، عبدالرحمن بن محمد الرازی۔ الجرح والتعدیل۔ بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1952ء۔
- تہانوی، ظفر احمد۔ قواعد فی علوم الحدیث۔ حلب: مکتب المطبوعات الإسلامیہ، 1984ء۔
- البغوي، الحسين بن مسعود۔ التهذيب في فقه الإمام الشافعي۔